Urdu Research Journal Tashkeel ISSN (Online): 3007-3294, ISSN (Print): 3007-3286
Article Received: 18-03-2026 / Accepted: 28-06-2026 / Published: 30-06-2026
https://creativecommons.org/licenses/by-nc/4.0/
Doi: https://doi.org/10.66457/tashkeel.v4i1.61

محمد فیصل نور

ایم فل اُردو اسکالر، یونیورسٹی آف میانوالی

ڈاکٹر انصر عباس

اسسٹنٹ پروفیسر، صدر شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف میانوالی

اُردو ادب میں محمود ہاشمی کی شعری خدمات

Muhammad Faisal Noor
M.Phil Urdu Scholar, University of Mianwali
Email: mfaisalnoor91@gmail.com
ORCID: https://orcid.org/0009-0009-9238-231X

Dr. Ansar Abbas
Assistant Professor, In-charge Department of Urdu, University of Mianwali
Email: ansarabbas@umw.edu.pk
ORCID: https://orcid.org/0000-0002-6726-5455

The Poetic Contributions of Mahmood Hashmi to Urdu Literature

ABSTRACT
This study presents a concise overview of the life, poetic vision, and literary contributions of an eminent Urdu poet Mahmood Hashmi. It explores the thematic richness, stylistic features, and intellectual depth of the Mahmood Hashmi's work, highlighting how personal experiences, social realities, and cultural traditions are reflected in his poetry. This study also emphasizes the Hashmi's role in the development of Urdu literature, particularly in enriching poetic forms such as ghazal and poem. Through an analytical approach, the study underscores the poet's lasting influence on later generations and his significance in expressing human emotions and aesthetic values within the broader literary tradition.

Keywords: *Mahmood Hashmi, Awrat Khusbo awr Namaz, Wapasi Mumkin na hogi, Mitha Tiwana, Khushab, Mianwali, Radio Poetry*

میانوالی کی سرزمین ثقافت اور ورثے سے مالا مال ہے۔ میانوالی نے لاتعداد باصلاحیت شاعر پیدا کیے ہیں جن میں نمایاں نام سردار عمر فاروق روکھڑی المعروف فاروق روکھڑی، پروفیسر منور علی ملک، محمد مظہر نیازی، پروفیسر سید

عاصم بخاری، افضل عاجز، حبیب خان روکھڑی، اکرم زاہد نیازی، احسان کلیم نیازی اور اسد عمران شاہ وغیرہ شامل ہیں۔ ان شعرا کے الفاظ گہرائی اور خوبصورتی کے ساتھ خاص و عام کے لبوں پر گونجتے ہیں۔ میانوالی میں شاعری محض ایک فن نہیں بلکہ ایک روایت ہے جو نسل در نسل چلی آ رہی ہے۔ میانوالی کی اس قدیم شعری روایت کو پروان چڑھانے میں ایک معتبر نام جناب محمود ہاشمی کا بھی ہے۔

محمود ہاشمی 12 نومبر 1969ء کو "مٹھہ ٹوانہ" (ضلع خوشاب) میں پیدا ہوئے۔[1] ان کا پورا نام "محمد محمود احمد" تھا۔ ان کا آبائی گاؤں "پائی خیل" (نیازی قبیلہ کا ایک ذیلی قبیلہ کے نام سے علاقہ کا نام) ہے جو میانوالی سے 25 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے جب کہ وہ خود ہاشمی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ محمود ہاشمی اردو اور سرائیکی زبان کے شاعر ہیں اور وہ "انجم" تخلص استعمال کرتے ہیں۔ استاد شعرا کی طرح وہ بھی اپنے شاعر ہونے پر فخر کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ اپنی کتاب "عورت خوشبو اور نماز" کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

> "میانوالی میرے خاندان کا تیسرا پڑاؤ ہے۔ میرے تخیل کی دودھیا لہریں افغانستان کے راستے سرزمین حجاز میں داخل ہوتی ہیں۔ عرب تین باتوں میں سے ایک اس بات پر بھی جشن منایا کرتے تھے کہ ان کے خاندان میں شاعر پیدا ہوا ہے۔ آج مجھے دیگر مسرتوں کے ساتھ یہ اطمینان بھی ہو رہا ہے کہ میں اپنے خاندان کا پہلا صاحب کتاب شاعر بن چکا ہوں۔"[2]

محمود ہاشمی کے والد کا نام رضا محمد شاہ تھا جو ایک معلم تھے۔ رضا شاہ کو معلم ہونے کی حیثیت سے خود بھی تعلیم سے بہت زیادہ لگاؤ تھا اور انہوں نے اپنے بچوں کی تعلیم پر بھی خصوصی توجہ دی۔ محمود ہاشمی کی تربیت کا یہ عالم تھا کہ فارسی زبان ان کے گھر میں بہن بھائیوں کے مابین بولی جاتی تھی۔ محمود ہاشمی نے ابتدائی تعلیم میانوالی شہر سے حاصل کی۔ میٹرک سنٹرل ماڈل ہائی سکول میانوالی سے مکمل کیا۔ انہوں نے کامرس کالج سے ڈی۔کام کا امتحان پاس کیا اور گریجویشن کی ڈگری پنجاب یونیورسٹی لاہور سے حاصل کی۔ اردو اور انگریزی کے مضامین میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم اے کی ڈگریاں حاصل کیں۔ انہیں بچپن سے ہی مطالعہ کا بے حد شوق تھا۔ عام بچوں کی طرح کھیل کود میں کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی ۔ انہوں نے نوجوانی میں ہی نظمیں اور غزلیں کہنا شروع کر دیں اور چھبیس سال کی عمر میں صاحبِ کتاب ہو گئے۔

شاعری سے انھیں فطری لگاؤ تھا، وہ ہر سال میونسپل کمیٹی میانوالی کے آڈیٹوریم میں اپنی سالگرہ کے موقع پر مشاعرہ کراتے۔ جس میں وہ تمام مقامی شعرا اور دوست احباب کو مدعو کرتے۔ وہ جیتے بھی شاعری کے لیے تھے اور مرے بھی شاعری کے لیے۔ ان کی وفات کا واقعہ دل کو چھو لینے والا ہے۔ میانوالی کے ایک نواحی علاقے ماڑی انڈس

میں ایک منقبت پڑھنے کے بعد سٹیج پر بیٹھے تھے کہ ان کی روح پرواز کر گئی اور وہ خالق حقیقی سے جا ملے۔ وہ14 اکتوبر2014ء کو اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے اور گران قدر ادبی ورثے میں چھوڑا۔

محمود ہاشمی ملازمت کے سلسلے میں شعبہ تعلیم سے وابستہ ہوئے، بطور استاد خدمات انجام دیں اور بچوں کو شاعرانہ انداز میں پڑھاتے تھے۔ محمود ہاشمی 2005ء میں ریڈیو پاکستان میانوالی سے بطور براڈکاسٹر وابستہ ہوئے۔انہوں نے بہت سے سرائیکی اور اردو پروگرام کیے جن میں "انتظار غزل"، "سندھ کنارے"،" دھنک"،" تھل سنگار"، "پھول گجرے" اور "وسیب رنگ" شامل ہیں۔انہیں مارچ 2011ء میں ریڈیو پاکستان اسلام آباد ہیڈ کوارٹر سے اے کیٹگری کے ایوارڈ سے نوازا گیا۔

اردو شاعری میں ان کے دوشعری مجموعے شائع ہوئے۔ پہلا "عورت خوشبو اور نماز" جو الحمد پبلیکیشنز لاہور سے 1995ء میں شائع ہوا اور دوسرا "واپسی ممکن نہ ہوگی" اقصٰی پرنٹنگ سلوشن راولپنڈی سے 2023ء میں شائع ہوا۔"واپسی ممکن نہ ہوگی" کے نام سے شعری مجموعہ ان کے وصال کے بعد ان کی بڑی بہن عصمت بانو اور پروفیسر منور علی ملک نے مل کر مرتب اور شائع کیا ۔ محمود ہاشمی نے اس مجموعہ کا نام " آنکھ " رکھا تھا لیکن وہ اپنی زندگی میں اس کو شائع نہ کروا سکے بعدازاں پروفیسر منور علی ملک نے ان کی ہمشیرہ عصمت بانو کی مشاورت سے ان کی شاعری سے منتخب شدہ کلام "واپسی ممکن نہ ہوگی" کے نام سے شائع کیا۔ محمود ہاشمی کے تقریباً200 گانے گائے گئے ہیں۔ جو عطاء اللہ خان عیسیٰ خیلوی، شازیہ خشک، حمیرا چنا، شفاء اللہ خان روکھڑی، عطا محمد نیازی، عارف لوہار، حمیرہ ارشد، نصیبولال اور ارم حسن نے گائے ہیں۔ان کے مشہور سرائیکی گانوں میں "عطااللہ خان عیسیٰ خیلوی" نے "چنگا ڈھولا رب را کھا اساں پردیس ویندے پے" 1994ء میں گایا جو ابھی تک زباں زد عام ہے، "شازیہ خشک " نے "میڈا رانجنا" جو 1993ء میں گایا، ،"شفااللہ خان روکھڑی" نے "توہے بےوفا" اور "یاری لائی ہے بلوچاں نال" گایا جو 2010ء کے سپر ہٹ گانے رہے اور حمیرا چنا کا " وسے تیدی میانوالی" ہے۔ جس کا شمار 2011ء کے پہلے دس بہترین گانوں میں رہا۔

محمود ہاشمی جدید شاعری میں ایک الگ مقام رکھتے ہیں اور وہ جدید شعرا کے ایک ایسے حلقہ سے منسلک ہیں جو حسن اور زندگی کی رنگینیوں میں قلم کار کا مقام کسی صورت بھی فراموش نہیں کرتے ہیں ۔ان کی سرائیکی شاعری ہو یا اردو دونوں میں حقائق حیات کی چمک واضح ہے۔شاعری نت نئے تجربوں کا نام ہے شاعر ناؤ بان کی طرح نئے نئے جزیرے دریافت کرتا ہے۔ محمود ہاشمی کی شاعری کی بنیاد بھی عشق ہے۔ عشق نے ان کے سینے میں ایک مشعل روشن کی اور وہ اس مشعل کی روشنی میں اپنے راستے متعین کرتے ہیں۔شاعری

کو وسعت دینے کے لیے وہ سائنسی علوم سے استفادہ کرتے ہیں۔ان کے خیال میں شاعری وہی کرے جسے اپنے شاعر ہونے کا یقین بھی ہو۔بشریٰ رحمان ان کی شاعری کے حوالے سے لکھتی ہیں:

"محمد محمود احمد کی شاعری روح کے رس سے مرصع ہے۔ان کی شاعری اپنے ہی انگ میں بولتی 'مسکراتی 'گنگناتی اور سر کا الاپ کرتی شاعری ہے۔ ان کے کمال فن کا اعجاز یہ ہے کہ خیال بھی نئے 'قافیہ ردیف بھی نویلے اور زاویے بھی البیلے۔مگر جمال فن یہ ہے کہ دل و نگاہ کی وہی ترنگ جو ازل سے تھی۔اگر غور کیا جائے تو زندگی "عورت' خوشبو اور نماز" کی احاطے میں ہے۔"(3)

دل کا ہر حسین چیز کی طرف مائل ہونا فطری امر ہےاور حسن فطری طور پر لٹیرا اور ڈاکو ہے۔ دل کی اس فطری کمزوری سے حسن فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے لوٹنے کی فکر میں رہتا ہے۔ کبھی وہ اپنی دلبرانہ اداؤں سے اور کبھی زلفوں کے جال میں پھنساتا اور لوٹتا رہتا ہے اور دل کا معاملہ کچھ ایسا ہے کہ اس کی راہ میں رنگ و نسل ذات برادری اور زور و زر وغیرہ حائل نہیں ہو سکتے۔اسی ضمن میں محمود ہاشمی کی ایک غزل سے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:

تیرے دل میں میری تصویر بھی ہو سکتی ہے
یہ ریاست کبھی تسخیر بھی ہو سکتی ہے
یہ جو کرتا ہے تخیل تیرے پیکر کا طواف
یوں میری روح کی تطہیر بھی ہو سکتی ہے
ہم نے تو ویسے ہی اس زلف کو چھیڑا محمودؔ
کس نے سوچا تھا وہ زنجیر بھی ہو سکتی ہے (4)

امجد اسلام امجد محمود ہاشمی کی شعری بصیرت کے بارے میں امجد اسلام امجد لکھتے ہیں:

"میں فطری طور پر خاصہ رجائیت پسند واقع ہوا ہوں۔اس لیے میری نظر ہمیشہ رات کی پھیلتی ہوئی تاریکی سے زیادہ ان چند مدہم جلتے بجتے ستاروں پر رہتی ہے جن میں روشنی اپنے تمام تر امکانات سمیت ہمارا حوصلہ بڑھانے کے لیے موجود ہوتی ہے۔محمد محمود احمد اس نسل کے ان چند نمائندوں میں سے ہیں جنہیں بلا کسی جھجک کے قافلہ سالار کہا جا سکتا ہے۔" (5)

محمود ہاشمی انسانی زندگی میں رشتوں کی اہمیت کو گہرائی سے محسوس کرتے ہیں۔ شاعر اپنے کلام کے ذریعے ماں باپ، بہن بھائی، دوستوں اور دیگر سماجی رشتوں کی محبت، خلوص اور باہمی تعلق کو اجاگر کرتا ہے۔وہ اس بات کو واضح کرتا ہے

کہ رشتے انسان کی زندگی کا قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں اور انہی کے ذریعے محبت، ہمدردی اور باہمی احترام کو فروغ ملتا ہے۔شاعر اپنے اشعار میں رشتوں کی نزاکت، قربت اور ذمہ داری کو بیان کر کے معاشرے کو یہ پیغام دیتا ہے کہ اگر رشتوں کو سنبھال کر رکھا جائے تو زندگی زیادہ خوبصورت اور پُرسکون بن سکتی ہے۔ محمود ہاشمی اپنے والد محترم سے بے حد محبت کرتے تھے۔ان کا ماننا ہے کہ باپ خاندان کے لیے ایک سایہ دار درخت کی طرح ہوتا ہے۔ ایک ایسی عظیم ہستی جو محنت اور قربانی کی علامت ہے:

اس کی ریاضتوں کا ثمر کھا رہا ہوں میں
صد شکر میرے باپ کا خاکی مزاج تھا (6)

محمود ہاشمی کا کوئی بیٹا نہیں تھا ان کی پانچ بیٹیاں ہیں۔ انہیں اپنی بیٹیوں سے بے حد پیار تھا۔ جب ان کی بیٹی فاطمہ پیدا ہوئی تو آپ نے یہ شعر لکھا:

بیٹیاں سب کے مقدر میں کہاں ہوتی ہیں
گھر خدا کو جو پسند آئے وہاں ہوتی ہے (7)

محمود ہاشمی اپنی شاعری میں ثقافتی روایات اور تہوار کو بڑی خوبصورتی سے اپنی شاعری میں بیان کرتے ہیں۔وہ عید، بسنت یا دیگر تہواروں کے موقع پر پیدا ہونے والی خوشی، محبت اور بھائی چارے کے جذبات کو الفاظ کا پیکر دیتے ہیں۔ایسے شاعر کی شاعری میں معاشرے کی رنگینی، لوگوں کی باہمی محبت اور میل جول کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔وہ تہواروں کو صرف خوشی کے دن نہیں بلکہ انسانوں کے درمیان قربت اور اتحاد پیدا کرنے کا ذریعہ بھی قرار دیتے ہیں۔اس طرح ان کی شاعری قاری کو خوشی، امید اور باہمی احترام کا پیغام دیتی ہے۔اسی حوالے سے عید عام انسان کے لیے خوشی مسرت نئے کپڑے اور ملاقاتوں کا تہوار ہوتی ہے مگر عاشق کے لیے عید کا دن تب ہی مکمل ہوتا ہے جب اس کا محبوب اس کے سامنے آتا ہے۔ اگر عاشق کو محبوب کا دیدار نہ ہو تو یہ عید کی خوشیاں عاشق پر کچھ اثر نہیں کرتیں بلکہ یہ تمام تر خوشیاں مزید دکھ اور تکلیف پیدا کر دیتی ہیں۔ مختلف شعرا عید کو پس منظر میں دکھاتے ہوئے اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ اصل عید تو محبوب کا دیدار ہے اور اگر دیدار میسر نہ ہو تو عید کا چاند، مٹھائیاں، عیدیاں، مہندیاں ،نئے کپڑے، میلے، جشن، خوشیاں اور پر مسرت چہرے سب بے معنی ہو جاتے ہیں۔ محمود ہاشمی عید کے حوالے سے کچھ یوں رقم طراز ہوتے ہیں:

یاد بچھڑے ہوئے لوگوں کو دلانے کے لیے
شکر ہے عید بھی آتی ہے ستانے کے لیے
عید کا نام جسے دیتی ہے دنیا محمودؔ
آزمائش ہے کڑی غم کو چھپانے کے لیے (8)

دنیا کی ہر شے کی طرح انسان بھی فانی ہے۔پیدائش سے لے کر موت تک کا سفر اگرچہ مختلف تجربات، خواہشات اور جذبات سے بھرپور ہوتا ہےمگر اس کا انجام ہمیشہ ایک ہی حقیقت پر مبنی ہوتا ہےاور وہ ہےفنا۔ انسان چاہے طاقت کا مالک ہو، علم و ہنر میں دوسروں سے بڑھ کر ہو یا دولت کے انبار رکھتا ہو، اس کی زندگی کا چراغ ایک دن ضرور بجھ جاتا ہے۔فنا کا احساس انسان کو اپنی اصل کی طرف لوٹاتا ہے۔یہ اسے یاد دلاتا ہے کہ غرور، تکبر، نفرت اور دنیاوی خواہشات عارضی ہیں، جبکہ کردار، اخلاق اور نیکی ہی وہ اوصاف ہیں جو اس کے جانے کے بعد باقی رہتے ہیں۔یہی احساس انسان کو اپنے وقت کی قدر سکھاتا ہے کیونکہ گزرا ہوا لمحہ کبھی لوٹ کر نہیں آتا۔یوں انسان کی فنا دراصل اس کے وجود کی کمزوری نہیں بلکہ ایک خاموش پیغام ہے کہ زندگی کو بہتر، بامقصد اور دوسروں کے لیے فائدہ مند بنایا جائے۔جو انسان اپنی فناء کو سمجھ لیتا ہے وہی حقیقت میں زندگی کی قدر پہچانتا ہے۔اسی حوالے سے محمود احمد کی ایک مشہور نظم "مٹی کامال" ہے:

تو بھی فانی میں بھی فانی باقی رب کی ذات
روشن صبحیں کاجل شامیں ہفتے مہینے سال
سب مٹی کا مال
عجز میں عظمت پوشیدہ ہے او ماہی مغرور
بازوں جیسے ناز تمہارے ہرنی جیسی چال!
سب مٹی کا مال
تیرے روپ کے چکر کاٹے اک شاعر کی سوچ
تیرے دروازے پر ڈالے اک مجذوب دھمال
سب مٹی کا مال(9)

محمودہاشمی کی شاعری کے متعلق پروفیسر منور علی ملک لکھتے ہیں کہ محمود احمد ہاشمی کی شاعری دل کو چھو لینے والی شاعری ہے۔ موضوع غم جاناں ہو یا غم دوراں شعر دل میں تیر کی طرح اتر جاتا ہے۔حمد، نعت،منقبت،سلام ہویا غزل ہر صنف میں محمود کا انداز بیان منفرد ہے۔ہر حوالے سے محمود کی شاعری میں قدم قدم پر ایسی دلکش باتیں ملتی ہیں جو آج تک کسی اور شاعر نے نہیں کہیں۔(10)وہ مزید لکھتے ہیں کہ حیات وکائنات کو جس نظر سے محمود نے دیکھا ہے کسی اور نے نہیں دیکھا بہت دور رس اور باریک بھی نظر ہے اس شاعر کی۔آج کل زیادہ تر شاعری Intellectual poetry لکھی جا رہی ہے جو ذہن کو تو متاثر کرتی ہے دل کے تاروں کو نہیں چھیڑتی۔مگر محمود کی شاعری دونوں کام کرتی ہے۔

تشبیہ استعارہ جو کلام کو وسعت و زور عطا کرتا ہے کوئی اور چیز نہیں کر سکتی۔شاعر معمولی دعوؤں کو ثابت کرنے کے لیے تشبیہ واستعارات کا سہارا لیتا ہے۔اس کے برعکس محمود نے روئے زمین کے دلکش مناظر کو اپنے خوبصورت خیال وجذبات سے یکساں کرنے کی کوشش کی جس کی وضاحت ان کی کتاب کے دیباچے میں واضح نظر آتی ہے:

"کنڈل شریف اور کافر کوٹ کے بھورے پہاڑوں پر جھکے ہوئے نیلگوں بادل۔"سندھ" کی چھاتی پر لہلہاتی ہوئی سرسبز "کوندر"۔ریت کی چادر پر بکھرے ہوئے آگ کے جامن پھول۔وطن کی یاد میں کرلاتی کونجیں۔اپنی موج میں تیرتی ہوئی مرغابیاں۔کالے تیتروں کی تسبیح۔ہمت شاہ کی کچی مسجد سے سنائی دیتی شام کی اداسی بھری آذان۔پائی خیل کے پہاڑی چرواہوں کے درد بھرے ماہیئے۔ سرمیلی خانقاہوں میں بکھری صدیوں پرانی سنجیدگی۔۔۔ اڑتے تخت پر بیٹھے سلمان اور نشیبوں میں رینگتی چیونٹیوں کا مکالمہ۔ آصف برخیہ کا اعتماد۔ابوجہل کی مٹھی میں کلمہ پڑتی کنکریاں۔ فاروق اعظم کا دریائے نیل کے نام خط ۔ حضرت علی المرتضی کی خاک نشینی۔حضرت زینب کا ابن زیاد کی عدالت میں خطبہ میری شاعری کی اجزائے ترکیبی ہیں۔ (11)

جمہوریت کا دوسرا نام عوام کی حکمرانی ہے۔ جمہوریت سے مراد فیصلہ عوامی رائے کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ آج کے معاشرے میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے یوں لگتا ہے کہ جمہوریت روز بروز دم توڑ رہی ہے۔ووٹ ذاتی مفاد لالچ اور دباؤ کے تحت دیا جاتا ہے۔ عوام کی سوچ کو زنجیروں سے جکڑ دیا گیا ہے۔ عام آدمی کی آواز کو دبا دیا گیا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ جمہوریت صرف کاغذوں تک محدود ہو کر رہ چکی ہے۔ عملی طور پر آمریت رائج ہے۔ دولت مند اور با اثر لوگ ملک پر قابض ہو چکے ہیں۔ وہ جو چاہے کر سکتے ہیں اور کروا سکتے ہیں۔ معاشرے کے حالات دیکھتے ہوئے محمود ہاشمی کچھ یوں فرماتے ہیں :

ایمان بیچنے کی روایت قدیم ہے
اے وقت کے یزید یہ فتوے خرید لو
محمودؔ بادشاہوں کا مرغوب کاروبار
سوچیں خرید لو کبھی لہجے خرید لو (12)

محمود ہاشمی کا کلام نہ صرف اپنے عہد یا علاقے کی ترجمانی کرتا ہے بلکہ ان کی شاعری میں آفاقیت اور عالمگیریت کی بھی گہری چھاپ موجود ہے۔وہ ہر محفل اور ہر ذوق کے شاعر معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی نظمیں محض صرف رندوں کے ذوقِ سرور ہی کو مہمیز نہیں دیتیں بلکہ اہل تصوف بھی اس سے گہری روحانی لذت کشید کرتے ہیں۔دوسرے شاعروں کی طرح بادہ و ساغر ان کے ہاں بھی موجود ہے لیکن وہ محض بزم شراب کے لیے نہیں بلکہ اس سے "مشاہدہ حق کی گفتگو" کے لیے بھی بے تکلف استعمال کیا جا سکتا ہے۔ چند اشعار درج ہیں:

تیری آنکھیں جو دیکھ لی ہوتیں
آج میں بھی خمار میں ہوتا
ایک ایسی بھی شام آ جاتی
تو مرے انتظار میں ہوتا
ہجر ہوتا نہ گر تسلسل سے
میرا جوبن نکھار میں ہوتا
پھول کھلتے جو میرے آنگن کے
میں بھی جشن بہار میں ہوتا (13)

محمود ہاشمی کی شاعری کے بارے منصور آفاق لکھتے ہیں کہ وہ جو بھی شعر کہتے تو اس بات کا پورا خیال رکھتے تھے کہ ان کے سننے والے کلام کو سمجھ بھی سکیں۔ شاید اسی وجہ سے ان سے لوگ محبت کرتے تھے کیونکہ ان کا کلام عام لوگوں کے لیے تھا۔(14) اسی لیے ان کی زبان میں سادگی اور تاثیر کا ایک خاص امتزاج تھا جو ہر سطح کے اہل ذوق کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔

عشق ایک ایسی لطیف آگ ہے جو جلاتی بھی ہے اور روشن بھی کرتی ہے۔ عشق دل کے خاموش گوشوں میں اتر کر ایک نئی کائنات بسا دیتا ہے۔ عشق وہ دریا ہے جس میں اتر کر مسافر خود کو نہیں صرف اپنے رب کی جھلک دیکھنے لگتا ہے۔ یہ دل پر پڑے ہوئے سب پردوں کو اٹھا دیتا ہے اور ذات کی گہرائیوں میں چھپا ہوا نوار ظاہر کر دیتا ہے۔ عشق میں عقل راستہ چھوڑ دیتی ہے اور دل ایک ایسی زبان بولنے لگتا ہے جسے صرف وہی سمجھتا ہے جس نے کبھی تنہائی میں اپنے رب کی سانسوں کی خوشبو محسوس کی ہو۔ محمود احمد بھی عشق کی لذت سے آشنا تھے۔ ان کی یہ غزل ملاحظہ فرمائیں آپ خود اندازہ لگالیں گے کے ان کے اندر عشق نے کیا طوفان مچار کھا تھا:

رات بھر سوچتے رہنے کی روایت کیا ہے
جان کا روگ نہیں ہے تو محبت کیا ہے
میں نے تو صرف جدائی ہی جدائی دیکھی
مجھ کو کیا علم تیرے وصل کی راحت کیا ہے (15)

محمود احمد کا کلام اور لب و لہجہ دوسروں سے بالکل مختلف ہے۔ انہوں نے اپنی غزلوں میں زندگی کی تڑپ، دل کی دھڑکن، خون کی گرمی اور شباب کی مسکراہٹ سمودی ہے۔ وہ بے باکی و بے تکلفی، سادگی و پاکیزگی کو بڑے لطیف پیرائے میں بیان کرتے ہیں۔ ان کے کلام میں دائمی جذبات کی ترجمانی کا عنصر غالب ہے۔ زبان و بیاں کی بے ساختگی، تازگی اور روانی کا جو لطف محمود کے ہاں ملتا ہے وہ کسی دوسرے شاعر کے ہاں نہیں ملتا۔ منصور آفاق لکھتے ہیں:

"محمد محمود احمد میانوالی کے چند بڑے شاعروں میں سے ایک تھے۔ وقت سے پہلے قضا انہیں لے گئی وگرنہ وہ اتنے غیر فانی نقوش دشت ادب پر چھوڑ جاتے جنہیں وقت کی تند و تیز آندھیاں کبھی محو نہ کر سکتیں۔ان کے اشعار، ان کے دوہڑے اور ان کی نظمیں دل میں اترتی چلی جاتی ہیں۔انہیں بولنے کا بھی فن آتا تھا، ریڈیو پاکستان پر جب وہ پروگرام کرتے تھے تو ایک زمانہ انہیں سنتا تھا۔"(16)

ان کی شاعری میں الفاظ و تراکیب کا اچھوتا پن ایک الگ لطف دیتی ہے۔یہی وہ نیا رنگ اور آہنگ ہے جو محمود نے غزل اور نظم کو دیا ہے۔ جس کی بدولت محمود کی شاعری کبھی باسی نہ ہوگی۔وہ ہمیشہ تازہ رہے گی اور جب تک اردو زبان زندہ ہے محمود کی شاعری بھی زندہ رہے گی۔ زندگی کے اتار چڑھاؤ میں محمود کے اشعار آج بھی دلوں میں ایک روشن مقام رکھتے ہیں۔ان کے اشعار محبت، انسانیت اور فطرت کی خوبصورتی کی گواہی دیتے ہیں،ان کی شاعری ہر نسل اور ہر رنگ کے قاری کے لیے ایک رہنما ثابت ہوتی ہے۔اگرچہ وقت کے ساتھ ان کی شخصیت جسمانی طور پر ہم سے دور ہو گئی، لیکن ان کے کلمات آج بھی زندہ ہیں اور آنے والے کل کے لیے ایک روشن مشعل کی طرح رہنمائی کرتے رہیں گے۔شاعر کی زندگی اور فن کا یہ ملاپ ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ لفظ کی طاقت کبھی بھی مدھم نہیں ہوتی اور حقیقی تخلیق ہمیشہ امر رہتی ہے۔

حواشی وحوالہ جات

1۔فیصل نور، عصمت بانو(ہمشیرہ محمود ہاشمی) سے ٹیلی فونک انٹرویو،10 نومبر 2025ء

2۔محمد محمود احمد، عورت خوشبو اور نماز،الحمد پبلیکیشنز،لاہور: 1995ء، ص1

3۔ایضاً، ص1

4۔محمد محمود احمد، واپسی ممکن نہ ہوگی،اقصیٰ پرنٹنگ سلوشن، راولپنڈی:2023ء ، ص75

5۔محمد محمود احمد، عورت خوشبو اور نماز، ص1

6۔محمد محمود احمد، واپسی ممکن نہ ہوگی، ص55

7۔محمد محمود احمد، ڈیلی جنگ، ملتان:2012ء، 23مارچ

8۔محمد محمود احمد، واپسی ممکن نہ ہوگی، ص33 1

9۔محمد محمود احمد، عورت خوشبو اور نماز، ص49

10۔محمد محمود احمد، واپسی ممکن نہ ہوگی، ص19

11۔محمد محمود احمد، عورت خوشبو اور نماز، ص2

12۔ محمد محمود احمد، واپسی ممکن نہ ہو گی، ص135
13۔ ایضاً، ص183
14۔ ایضاً، ص1
15۔ محمد محمود احمد، عورت خوشبو اور نماز، ص77
16۔ محمد محمود احمد، واپسی ممکن نہ ہو گی، ص1

References in Roman Script:

1. Faisal Noor, Ismat Bano (Hamsheera Mahmood Hashmi) se Telephonic Interview, 10 November 2025.
2. Muhammad Mahmood Ahmad, Aurat Khushboo aur Namaz, Al-Hamd Publications, Lahore, 1995, p. 1.
3. Ibid., p. 1
4. Muhammad Mahmood Ahmad, Wapsi Mumkin Na Hogi, Aqsa Printing Solution, Rawalpindi, 2023, p. 75.
5. Muhammad Mahmood Ahmad, Aurat Khushboo aur Namaz, p. 1.
6. Muhammad Mahmood Ahmad, Wapsi Mumkin Na Hogi, p. 55.
7. Muhammad Mahmood Ahmad, Daily Jang, Multan, 23 March 2012.
8. Muhammad Mahmood Ahmad, Wapsi Mumkin Na Hogi, p. 133.
9. Muhammad Mahmood Ahmad, Aurat Khushboo aur Namaz, p. 49.
10. Muhammad Mahmood Ahmad, Wapsi Mumkin Na Hogi, p. 19.
11. Muhammad Mahmood Ahmad, Aurat Khushboo aur Namaz, p. 2.
12. Muhammad Mahmood Ahmad, Wapsi Mumkin Na Hogi, p. 135.
13. Ibid., p. 183
14. Ibid., p. 1
15. Muhammad Mahmood Ahmad, Aurat Khushboo aur Namaz, p. 77.
16. Muhammad Mahmood Ahmad, Wapsi Mumkin Na Hogi, p. 1.